# اعضا کی پیوند کاری

## ایک مذاکرہ

ہر زمانہ اپنے ساتھ نئے مسائل لاتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں اتنی تیزی کے ساتھ، اتنے بڑے پیمانہ پر اتنی بڑی بڑی اور دور رس تبدیلیاں آرہی ہیں کہ روز نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں جو قرآن و سنت کی روشنی میں تشفی بخش حل کے طالب ہیں۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ علمائے دین قرآن و سنت کو مدار بناکر، اور سلف صالحین کی بیش بہا خدمات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، ان گوناگوں پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے اجتماعی اجتہاد کی راہ اختیار کریں۔ بحث اور مذاکرہ میں اختلاف رائے ہمیشہ ہوا ہے، اور آج بھی ہوگا۔ لیکن اجتہاد کے علاوہ زمانہ کے تقاضوں کی حقیقی تکمیل اور پیش آمدہ مسائل کا صحیح حل ممکن نہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ بھارت میں ہر مسلک و فکر کے علما، اپریل ۱۹۸۹ سے، جدید مسائل پر بحث و نظر کے لیے فقہی سیمینار منعقد کر رہے ہیں۔ ہم پہلے سیمینار (منعقدہ ۳ اپریل ۱۹۸۹، بمقام دہلی) کی روداد میں سے "اعضا کی پیوند کاری" کے مسئلہ پر دو مقالات پیش کر رہے ہیں۔ مسئلہ اہم ہے، اگرچہ تہذیب نو کی تشکیل میں بنیادی اہمیت کا حامل نہیں، لیکن اختلاف اور استدلال کے طریقوں سے قارئین کے علم و فہم میں یقیناً قیمتی اضافہ ہوگا۔ (مدیر)

(۱)

### مفتی محمد ظفیر الدین

مفتی دار العلوم دیوبند

زمانہ بڑی تیزی کے ساتھ رو بہ ترقی ہے، نئی ایجادوں نے انسانوں کو متحیر کر رکھا ہے، کل تک جس چیز کا تصور بھی مشکل تھا وہ حقیقت بن کر سامنے آرہی ہے۔ جدید تحقیقات و انکشافات سے آنکھیں بند کرنا بھی ممکن نہیں، اور ان سے کام نہ لینا بھی ناشکری ہوگی۔ البتہ یہ دیکھنا اور سمجھنا ہم مسلمانوں کے فرائض میں داخل ہے کہ جن چیزوں سے جس جس طرح کام لیا جاسکتا ہے، وہ کتاب و

سنت کے خلاف تو نہیں ہے، یا عہد صحابہ اور بعد کے ائمہ نے جو اصول و قواعد متعین کیے ہیں اس سے ٹکراتا تو نہیں ہے۔

نئی ایجادات سے اگر کتاب و سنت اور اقوال صحابہ کے دائرے میں رہ کر فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے تو ہمیں اس سے ضرور فائدہ اٹھانے کی جدوجہد کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر ٹیلی ویژن آج لہو و لعب میں استعمال ہوتا ہے، ہم اس کے لگانے اور دیکھنے کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ لیکن کل اگر اس کا استعمال کتاب و سنت کے دائرے میں رہ کر ہو سکتا ہے --- مثلاً حدیث کا درس دیا جانے لگے، تفسیر بیان کی جائے اور وعظ و نصائح کے کام لیے جائیں --- تو جائز ہونے کا فتویٰ دینا ہو گا۔ ریڈیو سے خبریں اور تفسیر سننے کو جائز کہتے ہیں، اور مخرب اخلاق افسانے اور گانے سننے کو حرام لکھتے ہیں۔

یہی صورت حال اعضا کی پیوند کاری کی ہے۔ ناجائز چیز لگائی جائے تو اس کی اجازت شریعت نہیں دے گی۔ لیکن اگر جائز اشیا سے اعضا کی پیوند کاری کا کام لیا جائے تو پھر اسے ناجائز لکھنے اور کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک صحابی کی ناک کٹ گئی تھی۔ انھوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگائی مگر وہ بھی راس نہ آئی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے سونے کی ناک بنوا کر لگائی، حالانکہ سونے کا استعمال مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے (مشکوٰۃ باب الخاتم)۔

ہم عام طور پر مصنوعی دانت بنوا کر خود بھی لگاتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی اجازت دیتے ہیں، جو پاک مسالوں سے تیار ہوتے ہیں۔ اب تو معلوم ہوا ہے کہ انسانی جسم کے تقریباً تمام کارآمد اعضا مصنوعی بننے شروع ہو گئے ہیں، اور انھیں ہم استعمال کرتے ہیں۔

ترمذی شریف میں سونے کے تاروں سے دانتوں کے باندھنے کا ذکر کیا گیا ہے اور لکھا ہے: کئی اہل علم سے روایت ہے کہ انھوں نے دانت سونے سے باندھے۔ فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں مختلف مواقع میں سونے چاندی کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے، اور بہت سارے مواقع میں اس کے استعمال سے روکا گیا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی دوسری صدی ہجری میں ہی یہ سارے مسائل سامنے آ چکے تھے، اور امام ابو حنیفہ اور آپ کے تلامذہ بحث و مباحثہ کے بعد اپنی آرا لکھ چکے تھے۔

عالمگیری میں صریح جزئیہ ہے: امام محمد کہتے ہیں کہ ہڈیوں سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ ہڈی بکری، گائے، اونٹ، گھوڑا یا ان کے علاوہ دیگر جانوروں کی ہو، سوائے خنزیر اور آدمی کی ہڈی کے۔ ان سے علاج مکروہ (تحریمی) ہے، البتہ اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مذبوح جانور کی ہڈی

ہو' جبکہ حیوان شرعی طریقہ سے ذبح کیا ہوا ہو' اس لیے کہ وہ ہڈی پاک ہے۔ تر ہو یا خشک' اس سے انتفاع جائز ہے۔

آگے ہے: حیوان مردار ہو تو اس کی ہڈی سے انتفاع جائز ہے اگر وہ خشک ہو' اور جائز نہیں اگر وہ تر ہو۔

شامی نے امام کرخی کا قول نقل کیا ہے: اگر کسی شخص کے سامنے کے دانت جھڑ جائیں تو وہ مذبوح بکری کے دانت اس کی جگہ لگا لے۔

معلوم ہوا جس طرح پاک مصنوعی اعضا کا استعمال شرعاً جائز ہے' مذبوح جانوروں کے اعضا کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔ شرعاً اس میں کوئی مضایقہ نہیں ہے۔

زندہ جانوروں کا کوئی حصہ البتہ کاٹ کر اعضا کی پیوند کاری میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ مردار کے حکم میں ہے۔ حدیث نبوی ؐ ہے: زندہ جانور سے جو کاٹ لیا جائے' وہ مردار ہے (ترمذی)۔

بحث جو کچھ ہے وہ ایک انسان کے کسی عضو کا دوسرے انسان میں استعمال کرنے سے متعلق ہے۔ جہاں تک مسئلہ ہے خود اپنے کسی حصہ جسم کا دوسرے حصہ میں استعمال کرنے کا' اس میں کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ جیسا کہ درمختار کا جزئیہ ہے: زندہ سے الگ ہونے والا جسم کا حصہ مردار ہوتا ہے مگر اس عضو والے کے حق میں نہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اپنے جسم میں مضایقہ نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس طرح انسان صحت مند ہو جاتا ہے' اور اس میں نہ کوئی عیب پیدا ہوتا ہے اور نہ بکری خریداری کی بات سامنے آتی ہے۔

ایک جسم کے خون کا استعمال دوسرے جسم میں جائز مانا گیا ہے اور اس کا فتویٰ بھی دیا جاتا ہے۔ اس کو اس جزئیہ سے لیا گیا ہے جس کے متعلق صراحت ہے: بیمار کے لیے خون اور پیشاب پینا جائز ہے' اگر مسلمان طبیب کہے کہ یہ شفا کے لیے ضروری ہے اور کوئی دوسری متبادل مباح دوا موجود نہیں۔ اگر طبیب کہے کہ اس سے جلد شفا ہو جائے گی' تو اس بارے میں دو رائے ہیں (عالمگیری)۔ حالانکہ خون بھی حرام اور پیشاب بھی۔ پیشاب کی حرمت ظاہر ہے' ساری کتابوں میں اس کی صراحت ہے۔ مگر مجبوری میں مسلمان طبیب جب یہ کہے کہ اس کے سوا دوسری دوا نہیں ہے تو مجبوری میں شرعاً اجازت ہوگی۔ یہاں اپنے خون یا پیشاب کی صراحت نہیں ہے۔ دونوں ہی مردار ہوتے ہیں' جس طرح فقہا نے عورت کے دودھ کو بطور دوا استعمال کی اجازت دی ہے' اس میں کوئی حرج نہیں

کہ مرد عورت کا دودھ بطور دوا پیے (عالمگیری)۔

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ خنزیر کا تمام حصہ نجس عین ہے، اس لیے جائز نہیں۔ اور انسان کا بوجہ احترام آدمیت ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں انسانی اجزا کی خرید و فروخت کو انسانی عظمت کے پیش نظر عام طور پر ناجائز و حرام قرار دیا گیا ہے، خواہ وہ زندہ انسان کا حصہ ہو یا مرنے والے کا۔ انسان اپنی موت کے بعد بھی ویسا ہی قابل احترام ہے جس طرح اپنی زندگی میں تھا۔ پس جس طرح زندہ انسان کے جز سے اگر اما دوا کرنا جائز نہیں ہے، ایسے ہی مردہ کی ہڈی سے علاج جائز نہیں ہے (شرح السیر الکبیر)۔

مضطر جس کے لیے مردار تک کھانے کی مخمصہ میں اجازت دی گئی ہے، اس شخص کے متعلق فقہا لکھتے ہیں: کوئی مضطر اگر میتہ نہ پائے، اور اسے اپنی ہلاکت نفس کا خوف ہو، ایسی حالت میں اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ میرے ہاتھ کاٹ لو اور کھالو، یا یہ کہے کہ ایک حصہ کاٹ کر کھالو، تو مضطر کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا، اور نہ یہ حکم دینا صحیح ہوگا، اور نہ مضطر کے لیے یہ درست ہوگا کہ وہ اپنے ہی جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر کھالے (عالمگیری)۔

فقہا نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی کو دھمکی دی جائے کہ فلاں کو قتل کر دو ورنہ تم کو قتل کر دیا جائے گا، تو کیا اس کے لیے جائز ہوگا کہ اس کو قتل کر ڈالے اور اپنی جان بچالے؟ فقہا لکھتے ہیں، ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس سلسلہ میں فقہا کے پیش نظر کتاب و سنت کی یہ تصریحات ہیں: ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا (بنی اسرائیل)۔ مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا (موطا)۔ مومن کو مردہ حالت میں ایذا دینا اس کی زندگی میں ایذا دینے کی طرح ہے (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز)۔

ایک بڑی وجہ اس سلسلہ میں یہ بھی ہے کہ انسانی اعضا، جو اس کے پاس بطور امانت ہیں، اس کو حکم الٰہی کے خلاف ناجائز میں استعمال کی جرات کر رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کے جواز کے فتویٰ کے بعد انسانی عظمت خاک میں مل کر رہ جائے گی، اور انسانی اعضا کی بیع و شرا شروع ہو جائے گی۔ خود انسان بھی پیٹ بھرنے، بچوں کے فاقہ اور شراب وغیرہ کی لت کی وجہ سے اپنے اعضا فروخت کرنا شروع کر دے گا۔

دوسری طرف آخرت پر جن کا عقیدہ نہیں ہے، یا ہے مگر روپے کی خاطر سارے ناجائز کو اپنے لیے جائز کر لیتے ہیں، وہ انسانوں کا اغوا کر کے اعضا انسانی کی تجارت شروع کر دیں گے، اور حکومت وقت کا کوئی قانون اس کو بچا نہیں سکے گا، خواہ وہ قانون کتنا ہی سخت اور مضبوط کیوں نہ ہو۔ غریب اور کمزور انسان کا جینا مشکل ہو جائے گا اور سرمایہ دار اور قوی گھرانے غریبوں اور کمزوروں پر عرصہ

حیات تنگ کر دیں گے ۔پہلے زمانہ میں غلامی کے مسئلہ پر اعتراض کیا کرتے تھے ۔یہ مسئلہ غلامی سے بھی بد تر ہو جائے گا' اور انسان صحیح معنی میں انسان باقی نہ رہ جائے گا۔

جو حضرات ایک انسان کے اعضا کی دوسرے انسان میں پیوند کاری کو جائز کہتے ہیں' وہ کتاب و سنت اور فقہ و فتاوی کی کھلی مخالفت کرتے ہیں۔یہ کہنا کہ حکم 'عمل پر نہیں ارادہ اور نیت پر ہوتا ہے' میرے نزدیک قطعاً صحیح نہیں ۔اس طرح کے مسائل کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے' ارادہ و نیت پر نہیں ہوتا کہ یہ دیکھنے کی چیز نہیں ۔یہ کیسی دانشمندی ہوگی کہ ایک انسان کی صحت یابی کے لیے دوسرے کی صحت سے کھیلا جائے اور مستقبل میں اس کو بیماری کا لقمہ تر بنایا جائے ۔امورِ آخرت میں باطن کو دیکھا جاسکتا ہے اور دیکھا جاتا ہے' لیکن امورِ دنیا میں ظاہر ہی پر حکم لگایا جائے گا۔

آدم علیہ السلام سے اب تک دنیا پر ہزاروں سال گزر چکے' انسان اپنی ضرورتیں پوری کرتا رہا' اس ظلم اور جور و تعدی کا تصور تک انسانی ذہن میں نہیں آیا' یہ ظلم خواہ اپنے اوپر ہو یا غیر کے اوپر۔ ایک شخص تو تکلیف میں ہے ہی' دوسرے کو بھی تکلیف میں مبتلا کرنے کا راستہ کھولا جا رہا ہے۔

یہ کہنا کہ عورت کے پیٹ کو چاک کرنے کی فقہا نے بعض اوقات اجازت دی ہے' تشریح یہ ہے کہ جب تک بچہ عورت کے پیٹ میں ہے' زندہ یا مردہ' اس کا جزو بدن ہے' علیحدہ نہیں' دونوں ایک کے حکم میں ہیں' الگ الگ نہیں ۔لہٰذا اس مسئلہ خاص کو اس پر قیاس کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے ۔پوسٹ مارٹم کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے کہ درمیان میں اس کو لا کر غلط فہمی پیدا کی جائے اور اس پر قیاس کیا جائے۔

اس کو ایثار کا نام دینا بھی نفس کا کھلا فریب ہے ۔راحت سے محروم کے لیے زندہ اور مردہ انسان کے اعضا کا بخشنا تو ایثار ہے' مگر کیا محروم الراحت شخص پر یہ فرض نہیں ہے کہ وہ زندہ اور مردہ انسان پر رحم کھائے اور اس کے احترام آدمیت کی لاج رکھے ۔یہ یک طرفہ فیصلہ حیرت انگیز ہے۔

جن فقہا نے ایک مضطر کو زندہ انسان کے گوشت کھانے یا مردہ انسان کے کھانے کی اجازت دی ہے' ان کی یہ ہمدردی ہرگز قابل توجہ نہیں ہے ۔ان کی یہ ہمدردی یک طرفہ ہے ۔انسانیت کے احترام کا تقاضا یہ تھا کہ سب پر نظر رکھی جاتی ۔کسی زندہ و صحت مند کو دوسرے بیمار زندہ کا لقمہ تر بنانا یا احترام انسانیت پر قلم پھیر دینا ہرگز مناسب نہیں۔

جس حکومت کا قانون خون ریزی' آتش زنی اور لوٹ مار کو بند نہیں کر سکتا' اس کے قانون سے اس کی توقع رکھنا کہ اجازت کا بے جا استعمال نہ ہو گا عقل میں آنے کی بات نہیں ۔وہ منظر کس قدر بھیانک ہو گا کہ ادھر مرنے والے کی روح نے پرواز کیا' اور وہیں ہاتھوں ہاتھ پہلے سے تیار ڈاکٹر اس

مردہ کی آنکھیں نکالیں گے ' پیٹ چاک کر کے گردے باہر کر دیں گے ' اور بہت سے کمزور و غریب کے جسم کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کیے بغیر اپنے آلات کا استعمال شروع کر دیں گے۔

ان لوگوں کی عقل و فہم پر حیرت ہے جو اعضا کے عطیہ اور ہبہ کو بال کٹنے ' ختنہ کرنے یا زخم یا آپریشن کے چیرپھاڑ پر قیاس کرتے ہیں۔ اس باب میں علما احناف کے فہم و فراست کی داد دینی پڑتی ہے کہ انھوں نے ہر ہر قدم پر نصوص اور انسانی احترام کو ملحوظ رکھا ہے۔

## (۲)

## خالد سیف اللہ رحمانی

صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام ، حیدر آباد

۱۔ انسانی جسم میں ازراہ علاج جمادات یا ' انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات ' کے اعضا کی پیوند کاری کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

اس میں گو اختلاف ہے کہ انسان خود اپنے جسم کے حصہ کی دوبارہ اپنے جسم میں پیوند کاری کر سکتا ہے یا نہیں؟ طرفین اس کو جائز نہیں سمجھتے ' اس لیے کہ جسم کا جو حصہ جسم سے کٹ گیا ہے اب اس کو دفن کیا جانا واجب ہے۔ اس کے دوبارہ استعمال میں اس سے انحراف پایا جاتا ہے۔ "پس جب کہ کوئی جز بدن سے جدا ہو گیا تو وہ مستحق دفن ہو گیا جیسے کل بدن اور اس جز کو دوبارہ استعمال کرنا اس کو اس کے استحقاق سے روکنا ہے"۔ امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک یہ جائز ہے 'کیوں کہ انسان کا خود اپنے جز سے انتفاع از قبیل اہانت نہیں ہے: "اپنے جز کے استعمال میں اس کی توہین نہیں ہے" (بدائع الصنائع ۵ : ۱۳۲)۔

لیکن اس باب میں بھی فتویٰ ابو یوسف ہی کی رائے پر ہے ' اور عام طور پر فقہا نے اس کو جائز ہی رکھا ہے۔

۲۔ اصل مسئلہ ایک انسان کے اعضا کی دوسرے انسان کے جسم میں پیوند کاری کا ہے۔ جن حضرات نے اعضا کی پیوند کاری کو ضرورتاً جائز قرار دیا ہے ' ان کے پیش نظر وہ فقہی قواعد ہیں جن کے مطابق "ضرورت" کی وجہ سے ناجائز چیزیں جائز قرار پاتی ہیں ( الضرورات تبیح المحذورات ) ۔ یا مشقت پیدا ہو جائے تو یسرو آسانی کی راہ اختیار کی جاتی ہے ( المشقة تجلب التيسير ) ۔ اور اس سلسلہ میں پیش نظر قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن میں جان بچانے کے لیے حالتِ اضطرار میں حرام چیزوں کے کھانے یا حالت اکراہ میں کلمۂ کفر زبان سے ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

۳- جن لوگوں نے اعضا کی پیوند کاری سے منع کیا ہے ' انھوں نے اس کے مختلف اسباب بیان کیے ہیں - انسان کے علیحدہ شدہ اعضا کا ناپاک ہونا اور حرام ہونا - انسان کا خود اپنے جسم کا مالک نہ ہونا اور اللہ کی طرف سے اپنے وجود کا امین ہونا - لیکن خود فقہا متقدمین نے مختلف جزئیات میں ' انسانی ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے ' ان تمام امور کی اباحت کو قبول کیا ہے ' ناپاک و حرام اشیا سے علاج کی اجازت بھی دی ہے ' اور اپنے جسم میں ایسے تصرف کی اجازت بھی دی ہے جو کسی نص صریح سے متعارض نہ ہو -

اصل علت جو مانعین کے پیش نظر ہے وہ انسانی حرمت و کرامت کا تحفظ ہے - اکثر فقہا نے انسانی اجزا سے انتفاع کو اسی لیے منع کیا ہے کہ انسان متاع خرید و فروخت بن جائے - یہ اس کی شان تکریم کے خلاف ہے - کتب فقہ میں کثرت سے ایسی عبارتیں موجود ہیں ' بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں: "انسان کے بال سے نہ انتفاع جائز ہے نہ اس کی بیع جائز ہے ' اس لیے کہ آدمی مکرم ہے نہ کہ قابل صرف کوئی چیز - پس نہیں جائز ہے کہ اس کے اجزا میں سے کسی بھی جز کو ذلیل کیا جائے اور استعمال کیا جائے" ( البحر الرائق ۸۱/۶ ) -

"بے شک آدمی کا بال اس کی کرامت کی وجہ سے قابل انتفاع نہیں ہے" ( المبسوط ۱۲۵/۱۵ ) -

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کے اجزا سے انتفاع نجاست کی بنا پر جائز نہیں - دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس کی کرامت کی وجہ سے ہے ' اور یہی صحیح ہے - ( ھندیہ ۵ / ۳۵۴ )

اور چوں کہ حرمت و کرامت میں زندہ و مردہ دونوں مساوی ہیں ' اس لیے زندہ انسان کے اعضا اس مقصد کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں نہ مردہ کے - اس سلسلہ میں سب سے واضح روایت وہ حدیث ہے کہ "مردہ کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندگی میں اس شخص کی ہڈی کو توڑ دینا" -

۴- اس مسئلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں:

اول یہ کہ کیا موجودہ زمانہ میں پیوند کاری کا طریقہ بھی "اہانت انسان" میں داخل ہے ؟

دوم یہ کہ انسانی جان کے تحفظ کے لیے اہانت محترم کو گوارا کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

۵- پیوند کاری کے اہانت انسان ہونے کے سلسلہ میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ شارع نے انسان کو مکرم و محترم تو ضرور قرار دیا ہے ' اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اس کی توہین کو جائز نہیں رکھتا ' لیکن کتاب و سنت نے تکریم و اہانت کے سلسلہ میں کوئی بے لچک حدود مقرر نہیں کی ہیں - اور اہل علم کی نظر سے یہ امر مخفی نہیں کہ نصوص نے جن امور کو مبہم رکھا ہو اور قطعی فیصلہ نہ کیا ہو ' انسانی عرف و

عادت ہی سے اس کی توضیح ہوتی ہے' ڈاکٹر وہبتہ الزحیلی نے مختلف فقہا کے نقطہ نظر پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: فقہا نے کہا ہے کہ جو چیز شریعت میں مطلقاً وارد ہوئی ہے' اور اس کے لیے شریعت میں نہ کوئی ضابطہ ہے نہ لغت میں' تو اس میں عرف کی طرف ہی رجوع کیا جائے گا' جیسے کہ سرقہ میں حفاظت (اصول الفقہ الاسلامی ۲/ ۸۳۱)

۶- پھر اس امر میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ عرف و عادت کی بعض صورتیں زمانہ و علاقہ کی تبدیلی سے بدلتی رہتی ہیں' اور ایک ہی معاملہ میں علاقہ و وقت کی تبدیلی کی وجہ سے دو مختلف حکم لگائے جاتے ہیں' کبھی اس کو بہتر اور درست سمجھا جاتا ہے اور کبھی اس کو قبیح و نادرست۔ امام ابو اسحاق شاطبی فرماتے ہیں: بعض چیزیں حسن سے قبح کی طرف منتقل ہوتی ہیں اور بعض اس کے برعکس' جیسے سر کا کھولنا مشرقی ممالک میں قبیح ہے مگر مغربی ممالک میں قبیح نہیں ہے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے حکم شرعی مختلف ہو جائے گا' چنانچہ اہل مشرق کے نزدیک سر کا کھولنا عدالت کے لیے نقصان دہ ہو گا اور اہل مغرب کے نزدیک نقصان دہ نہیں ہو گا (الموافقات ۲/ ۲۰۹' ۲۱۰)۔

پس جب اہانت و اکرام کے متعلق شریعت نے کوئی متعین اصول وضع نہیں کیے ہیں تو ضرور ہے کہ ہر زمانہ کے عرف و عادت ہی کی روشنی میں کسی بات کے باعث توہین ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کیا جائے اور عین ممکن ہے کہ ایک ہی چیز جو کسی زمانہ میں توہین شمار ہوتی ہو' بعد کے زمانے میں اس کا شمار توہین میں نہ ہو۔ فقہا نے اجزا انسانی سے انتفاع کو بے شک منع کیا ہے' لیکن یہ ممانعت اس لیے تھی کہ اس زمانے میں انسانی اعضا سے انتفاع کو اس کی توہین تصور کیا جاتا تھا اور اس دور میں ایسے طریقے بھی رائج نہیں ہوئے تھے کہ شائستہ طور پر انسانی اجزا سے انتفاع کیا جا سکے۔ ہمارے زمانے میں اس عمل کو انسان کی توہین نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کوئی شخص اپنا عضو کسی اور کو دے دے' تو نہ وہ خود اپنی اہانت کا احساس کرتا ہے نہ لوگ ایسا محسوس کرتے ہیں' بلکہ اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے بڑے بڑے قائدین اور زعما اپنے اعضا کے سلسلہ میں اس قسم کی وصیت کر جاتے ہیں' اور یہ چیز ان کے لیے نیک نامی کا باعث ہوتی ہے اور انسانیت نوازی کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ ایک انسان کے جسم کا خون دوسرے انسان کے جسم میں منتقل کیا جا سکتا ہے' اب اس پر قریب قریب اتفاق ہو چکا ہے' حالاں کہ جز انسانی سے انتفاع کو مطلقاً "توہین انسانی" باور کیا جائے تو اسے بھی ناجائز ہونا چاہیے' کہ جز انسانی ہونے میں دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض بزرگوں نے خون اور کسی اور عضو میں انتفاع میں فرق کیا ہے اور خون کو دودھ پر قیاس کیا ہے مگر استدلال محل نظر ہے' کیوں کہ دودھ انسانی جسم میں رکھا ہی اس لیے گیا ہے کہ وہ جسم سے خارج ہو اور اس کا استعمال ہو' اس کا

استعمال نہ کیا جانا صحت انسانی کے لیے مضر ہے جب کہ خون قوام حیات ہے ، اور اس کو جسم میں باقی رکھنے پر ہی حیات انسانی موقوف ہے۔ اس لیے خون دودھ کی نہیں بلکہ دوسرے ٹھوس اور سیال اجزاے انسانی کی نظیر ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب " گو اعضا کی پیوند کاری کو درست نہیں سمجھتے ' تاہم وہ بھی مطلقاً اجزا سے انتفاع کو حرام نہیں کہتے ہیں ' اور اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کبھی اجزاے انسانی کا استعمال ایسا بھی ہو سکتا ہے جو مستلزم اہانت نہ ہو۔ مفتی صاحب " کا بیان ہے کہ "یہ شبہ کہ انسان کے اجزا کا استعمال ناجائز ہے ' اس لیے وارد نہ ہونا چاہیے کہ استعمال کی جو صورت کہ مستلزم اہانت ہو وہ ناجائز ہے ' اور جس میں اہانت نہ ہو تو ضرورتاً وہ استعمال ناجائز نہیں" (كفاية المفتى ۹ / ۱۴۲) - پس چوں کہ موجودہ زمانہ میں اجزاے انسانی سے انتفاع کے ایسے طریقے ایجاد ہو گئے ہیں جو مستلزم اہانت نہیں ہیں اور نہ عرف میں ان کو اہانت سمجھا جاتا ہے ' اس لیے اصولی طور پر ان کو درست اور جائز ہونا چاہیے۔

۸- دوسرے فقہی نظائر کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جان کے تحفظ اور بقا کے لیے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی قبول کی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید کی حرمت انسانی اعضا کی حرمت سے زیادہ صراحت کے ساتھ حدیث سے ثابت ہے ' یہاں تک کہ بے وضو قرآن مجید کو چھونا اور حالت جنابت میں پڑھنا بھی جائز نہیں۔ لیکن فقہا نے ازراہ علاج ' خون اور پیشاب سے بھی آیات قرآنی کو لکھنے کی اجازت دی ہے: جس شخص کو نکسیر ہو اور خون بند نہ ہوتا ہو ' وہ اگر اپنے خون سے اپنی پیشانی پر قرآن کا کوئی حصہ لکھنا چاہے تو ابوبکر کہتے ہیں کہ جائز ہے۔ ان سے سوال کیا گیا اگر پیشاب سے لکھے ' تو کہا اگر اس سے شفا ہوتی ہو تو کوئی حرج نہیں ' ان سے سوال کیا گیا اگر مردار کے چمڑے پر لکھے ' تو کہا اگر شفا ہوتی ہو تو جائز ہے (خلاصة الفتاوىٰ ۴ / ۳۶۱)۔

علامہ سمرقندی نے ایک خاص جزئیہ پر بحث کرتے ہوئے جس اصول سے استدلال کیا ہے وہ یہی ہے کہ ایک انسان کی بقا کے لیے دوسرے کی تکریم کے پہلو کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں: اگر کوئی حاملہ مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کرتا ہو ' اگر غالب ظن یہ ہو کہ وہ بچہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے جس میں عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے ' تو اس حاملہ کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اس میں ایک انسان کو زندگی بخشنا ہے ' اور کسی زندہ کی موت کا سبب بننے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے کہ آدمی کی عظمت کے تقاضے کو چھوڑ دیا جائے (تحفة الفقهاء ۳ / ۳۴۴)

ماں کی موت ہو جائے اور آثار بتاتے ہوں کہ جنین زندہ ہے ' تو فقہا نے عورت کے آپریشن کی اجازت دی ہے ' اور استدلال یہ کیا ہے کہ یہاں تعظیم میت کو ایک زندہ نفس کی بقا کے لیے ترک کیا جا

رہا ہے۔ لان ذالک تسبب فی احیاء نفس محترمة بترک تعظیم المیت (البحر الرائق ۸/۵.۲)۔ اسی اصول سے یہ مسئلہ بھی متعلق ہے کہ مضطر کسی مردہ انسان کو اپنی جان بچانے کے لیے کھا سکتا ہے یا نہیں؟ مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ نہیں کھا سکتا' شوافع اور بعض احناف کے یہاں کھا سکتا ہے' اس لیے کہ زندہ کی حرمت مردہ سے بڑھ کر ہے۔ وقال الشافعی وبعض الحنفیة یباح وهو اولیٰ لان حرمة الحی اعظم (المغنی ۹/۳۳۵)۔ فقہا حنابلہ میں ابو الخطاب نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں: "جب کوئی شخص اضطراری حالت میں ہو' اور وہ مردار' خنزیر اور آدمی کا گوشت پائے تو (ان میں سے) مردار کو کھائے گا' اس لیے کہ وہ بعض موقع پر حلال ہو جاتا ہے' بخلاف خنزیر اور آدمی کے جو کسی حال میں حلال نہیں ہے' نہ انسان کے لیے اس کا کھانا جائز ہے چاہے وہ مر جائے۔ یہ ہمارے علما کا قول ہے' اور یہی قول امام احمد اور داؤد کا ہے..... امام شافعی آدمی کے گوشت کھانے کو جائز کہتے ہیں (الجامع لاحکام القرآن ۲/۲۲۹)۔

مشہور مالکی فقیہ ابن عربی نے بھی اس مسئلہ میں شوافع ہی کی رائے اختیار کی ہے کہ اگر اس سے بچ جانے کی امید ہے تو کھالے۔ الصحیح عندی ان لا یاکل الادمی الا اذا تحقق ان ذالک ینجیه ویحییه (الجامع لاحکام القرآن ۲/۲۲۹)۔ اسی طرح اگر کوئی ایسا شخص مضطر کو مل جائے جس کا خون کسی جرم کی وجہ سے جائز ہے تو اس کو قتل کر کے اس کا گوشت کھا کر اپنی زندگی کا تحفظ بھی جائز ہے۔ (المغنی ۹/۳۳۵ قرطبی ۲/۲۲۹)۔ اور ناقلین نے تو یہاں تک نقل کر دیا ہے کہ امام شافعیؒ نے جان بچانے کے لیے انبیائے کرام کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے۔ اباح الشافعی اکل لحوم الانبیاء (ایضاً)۔ معلوم ہوتا ہے کہ چوں کہ اس پر اہل علم نے گرفت کی' اس لیے بعد کو فقہائے شوافع نے انبیا کی میت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دے دیا' ابن نجیم لکھتے ہیں: انھوں نے کہا کہ اس سے نبی کی نعش مستثنیٰ ہے' اس کا کھانا مضطر کے لیے جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع کے نزدیک انبیا کی نعش کی حرمت مضطر کی روح سے بڑھی ہوئی ہے (الاشباہ و النظائر، ص ۸۴)۔

۹۔ زندہ انسانوں کے عضو کی منتقلی میں البتہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ فقہا نے مکرہ کے لیے اس کو جائز قرار نہیں دیا ہے کہ وہ کسی شخص کی اجازت سے بھی اس کے جسم سے کچھ حصہ کاٹ کھائے۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں: بہر حال وہ فرع جو مباح نہیں ہے' اور نہ اکراہ کی وجہ سے اس میں کسی بھی صورت میں رخصت دی جاتی ہے' تو وہ فرع ناحق کسی مسلمان کو قتل کرنا ہے' چاہے اکراہ ناقص ہو یا تام' اور ایسے ہی انسان کے اعضا میں سے کسی عضو کا کاٹنا' اگرچہ مکرہ علیہ اسے اجازت دیتے ہوئے کہہ دے کہ کاٹ لو' تو کاٹنا اس کے لیے جائز نہیں ہو گا (بدائع الصنائع ۷/۱۷۷)۔